سید احمد سعید کاظمی

ضرورتِ توحید

مسئلہ وحدانیت پر ایک عالمانہ بحث

اس عنوان کے دو جزو ہیں "ضرورت" اور "توحید"۔ یہاں "ضرورت" سے انسانی احتیاج مراد ہے۔ اور "توحید" سے توحید خداوندی۔ گویا ہمیں اس وقت یہ سمجھنا ہے کہ انسان وحدانیت خداوندی کو تسلیم کرنے کا محتاج ہے۔

بحث کے دو بنیادی نکتے

توضیح عنوان کے بعد بحث کے دو بنیادی نکتے متعین ہو کر ہمارے سامنے آ گئے۔

۱۔ انسان اور اس کی احتیاج

۲۔ خدائے قدوس اور اس کی وحدانیت

پہلا بنیادی نکتہ

ان دونوں نکتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد اصل مقصد بخوبی واضح ہو سکے گا۔ اجزائے بحث کی ترتیب کے لحاظ سے ہم اپنی گفتگو کا آغاز جزو اوّل سے کرتے ہیں:

انسان: اس وقت ہمارے سامنے انسان کی حقیقت و ماہیت نہیں بلکہ اس کا

ایسا واضح تصور سامنے لانا مقصود ہے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ہماری بحث کا بنیادی نکتہ قرار پا سکے۔ اور وہ یہ کہ انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے:

۱۔ جسم، اور

۲۔ روح

جسم: مرکب ہے اور اس کے اجزاء عناصر اربعہ ہیں۔ اس لیے عالم اسباب میں وہ اپنی درستی اور بقا کے لیے عناصر اور ان کے مرکبات ہی کا محتاج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ انسان کی تمام حاجاتِ بدنیہ عالم عناصر و موالید میں منحصر ہیں۔ لیکن روح بسیط ہے اور اس کا تعلق براہِ راست بارگاہِ قدس سے ہے۔ لہٰذا اس کی حاجات کا مرکز بھی بارگاہِ قدس ہی ہو سکتی ہے۔ اب اس کی حاجات پر غور کیجیے۔

روح کی سب سے پہلی اور بنیادی حاجت قربِ خداوندی اور وصول الی اللہ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "انسان" اللہ تعالیٰ کے مظاہر میں سب سے اعلیٰ مظہر ہے۔ اور اس کی اصل فطرت میں خدا کی معرفت کا جوہر لطیف موجود ہے۔

جوہرِ اُنس

عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح و نفوسِ بنی آدم کو جمع کر کے فرمایا "الست بربکم" کیا میں تمھارا رب نہیں؟ سب نے جواب دیا "بلیٰ" کیوں نہیں ضرور تو ہمارا رب ہے۔ ہر ایک کا بلا تامل اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ معرفتِ الٰہیہ کا جوہر مقدس بلا استثناء ہر ایک کے اندر موجود تھا۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ یہی جوہر ارواح بنی آدم میں اُنس کا مبداء ہے جس کی وجہ سے انسان کو انسان کہا جاتا ہے۔

تلاشِ رب

اللہ تعالیٰ کی محبت اور انس کے اس لطیف جذبہ کو لیے ہوئے جب روح انسانی

اس بارگاہِ قدس سے اس عالمِ اجسام میں آئی تو اس کا وہ جذبہ ابھرا، اور اس نے اسی کو تلاش کیا جس کی ربوبیت کا اقرار کر کے آئی تھی۔

جذبۂ محبت ایسی چیز ہے کہ جب تک لقاءِ محبوب نہ ہو، محب کو اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ جس طرح بھوک پیاس کی حالت میں کھانا اور پانی ملے بغیر آدمی کو چین نہیں آتا اسی طرح روحِ انسانی کو بارگاہِ ربوبیت میں رسائی کے سوا کسی حال میں سکون نہیں ملتا۔

روحِ انسانی اسی عالمِ اضطراب میں دیوانہ وار خالقِ کائنات کی تلاش میں اٹھی۔ مگر افسوس ارواحِ سعداء کے سوا ہر روح نے ٹھوکر کھائی۔ اور ذریعۂ تلاش غلط ہونے کی وجہ سے رب تعالےٰ سے قریب ہونے کی بجائے دور ہوتی چلی گئی۔

مظاہرِ کائنات کی پرستش

یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں کہ تغیراتِ عالم کے پیشِ نظر ایک مؤثر کے وجود کو تسلیم کرنے پر ایک دہریہ بھی مجبور ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجدِ کائنات کے ساتھ ہر فردِ بشر کا ایک طبعی تعلق ہے۔ اور یہی تعلق اس کی فطرت میں تلاشِ حق کے تقاضے کا اصل منشاء ہے۔ اسی کو پورا کرنے کے لیے لوگوں نے مظاہرِ کائنات کی پرستش کی۔ لیکن جس طرح سراب سے آب کا تقاضا پورا ہونا ناممکن ہے، اسی طرح مظاہرِ کائنات کی پرستش سے خالقِ کائنات کی معرفت کے مقتضائے طبعی کی تکمیل ممکن نہیں۔ لہٰذا جس خدائے قدوس نے ہمارے جسمانی تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے جسمانی اسباب مہیا کیے ہیں اسی نے روحانی حاجات و مقتضیات کی تکمیل کے لیے روحانی اسباب کا ایک زبردست اور مضبوط نظام قائم کیا۔ جس کا نام سلسلۂ نبوت و رسالت ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔

دوسرا بنیادی نکتہ

اس بیان سے ہماری بحث کا پہلا بنیادی نکتہ ناظرین کرام کے ذہن نشین ہو گیا ہو گا۔

اب ہم دوسرے نکتے کی طرف آتے ہیں۔ اور اس کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے اختصار کے ساتھ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام سے قبل کے لوگوں کے عقائد وجود باری اور توحید خداوندی کے بارے میں کیا تھے۔

مسئلہ توحید میں مختلف گروہ

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہماری نظر دہریوں پر پڑتی ہے جو وجود خالق کے منکر تھے لیکن دہر کو مؤثر مانتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے قول کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے "ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر"۔ چونکہ وجود خالق کا انکار جزا و سزا کے انکار کو مستلزم ہے اس لیے یہ گروہ وجود خالق کے ساتھ جزا و سزا کا بھی منکر تھا۔

دہریوں کے بعد دوسرے چار گروہ

دوسرا وہ گروہ تھا جو وجود خالق کو مانتا تھا لیکن بعث و نشر کا منکر تھا۔ اس کا ذکر بھی، قرآن مجید کی متعدد آیات میں وارد ہے۔ یہ سب لوگ نبوت اور رسالت کے منکر تھے۔ ان میں ایک گروہ ایسا بھی پایا جاتا تھا جو فرشتوں اور جنات کے وجود کا قائل تھا۔ اور ایک گروہ ان کی پرستش کرتا تھا۔ ایک گروہ وہ جو ان کا منکر تھا اور بتوں کی پرستش کرتا تھا۔ عرب کے طاقتور قبائل اصنام پرست تھے۔ ان میں بعض لوگ بت پرستی میں اتنے راسخ تھے کہ صرف حضر میں نہیں بلکہ سفر میں بھی اپنے باطل معبودوں کو ساتھ رکھتے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔

مشرکین کا عقیدہ

مشرکین جو امور عظام میں اللہ تعالےٰ کو متصرف مانتے تھے، ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بعض عباد صالحین کو الوہیت عطا فرمادی۔ لہذا وہ تمام مخلوق کے معبود ہونے کے مستحق ہو گئے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ کی بھی عبادت کرے تو وہ اس وقت تک مقبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان عباد صالحین کی عبادت کے ساتھ مضموم نہ ہو۔ بلکہ اللہ تعالےٰ تو بے انتہا بلندی میں ہے اس لیے اس کی مخصوص عبادت

محض بے کار رہے۔ عبادت ان ہی صالحین کی کرنی چاہیے جو اللہ تعالےٰ کے مقرب ہیں۔ تاکہ ان کی برکت سے ہم اللہ تعالےٰ کے مقرب ہوسکیں۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہمارے یہ معبود مستقلاً سمیع و بصیر ہیں، اور بربنائے الوہیت ہماری مدد و نصرت کرتے ہیں۔ انھوں نے ان ہی کے نام پر پتھر گھڑ لیے۔ اور جب وہ اپنے معبودوں کی طرف رخ کرتے تو اپنی توجہ کا قبلہ ان پتھروں کو بنا لیتے تھے۔ ان کے پیچھے آنے والوں نے اتنا بھی نہ سمجھا۔ کہ ان پتھروں اور انسانوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اور انھوں نے ان پتھروں ہی کو اپنا معبود بنا لیا۔

عرب میں صابی

صابیئوں کا ایک گروہ عرب میں پایا جاتا تھا جو کواکب پرست تھا۔ یہ لوگ ستاروں کی معبودیت اور ان کی موثریت عظیمہ کے قائل تھے۔ اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کواکب کے لیے نفوس مجردہ عاقلہ ہیں۔ جو انھیں حرکت پر آمادہ رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنے عابدوں کی عبادت سے غافل نہیں۔ لہذا ان کے نام پر مورتیاں بنا کر پوجتے تھے۔

عرب میں مجوسی

بعض عرب مجوسیوں کی طرف میلان رکھتے تھے۔ کیونکہ ایک عرصہ سے یمن اور عراق میں ایرانیوں کی سلطنت تھی جو مجوسی اور آتش پرست تھے۔

عرب میں یہود و نصاریٰ

عرب میں یہودیوں کا بھی ایک گروہ تھا۔ اور نصرانی بھی بکثرت پائے جاتے تھے۔ یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ کہتے تھے کہ مسیح علیہ السلام ابن اللہ ہیں۔ اور ان میں بعض کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالےٰ نے مسیح علیہ السلام میں حلول کیا ہے۔ اور بعض تثلیث کے قائل تھے۔

اسلام سے پہلے مکہ میں اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے

اسلام سے پہلے مکہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے تھے، اور اس بات کے منتظر تھے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے ایک رسول کو مبعوث فرمائے گا۔ مگر یہ لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔

قرآن مجید میں مشرکین کا ردّ

وجود باری کے متعلق جن لوگوں کو قبل الاسلام اہل عرب کے ان عقائد کا علم ہے۔ وہ قرآن کریم کی روشنی میں بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے تمام عقائد باطلہ کا کس خوبی کے ساتھ مصلحانہ انداز میں رد فرمایا۔ اور کمال اختصار و جامعیت کے ساتھ ان جاہلانہ نظریات کی تردید بلیغ فرمائی۔ ہم اطالتِ کلام سے بچنے کے لیے صرف اتنے اشارے پر اکتفا کرتے ہیں۔

مسئلہ توحید محتاج دلیل نہیں

ذاتِ باری اور توحید خداوندی کا مسئلہ ایسا نہ تھا جس کو ثابت کرنے کے لیے استدلال کی ضرورت پیش آتی۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فطرتِ انسانی کا اصل مقتضا یہی تھا کہ صانع حقیقی اور معبود برحق کو تسلیم کرنے میں ادنیٰ تامل کو بھی گوارا نہ کرتا۔ لیکن بسا اوقات اصل فطرت کے اپنے حال پر رہنے کے باوجود خارجی اسباب کی بنا پر متعلقاتِ فطرت میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس طرح ایک تندرست آدمی غلبۂ مرض سے مغلوب ہو کر بعض طبعی تقاضوں سے متنفر ہونے لگتا ہے۔ ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ مریض کی طبیعت ازالۂ مرض کی خواہاں ہوتی ہے۔ اس کے باوجود مریض علاج سے جی چراتا ہے۔ یہ امر واقعی ہے کہ شیرینی طبیعت سلیمہ کو پسند ہے۔ لیکن غلبۂ صفرا کی وجہ سے وہ پسندیدہ چیز آدمی کو تلخ محسوس ہونے لگتی ہے۔ علیٰ ہذا علم و ادب انسان کا فطری مقتضا ہے۔ لیکن بُری صحبت کے اثرات اس طبعی تقاضے سے انسان کو متنفر کر دیتے ہیں۔

دلائل توحید کی حکمت

ارواح منکرین کا بھی یہی حال ہے۔ کہ اس عالم قید و بند میں آکر وہ اپنے ماحول سے ایسی متاثر اور مغلوب ہوئیں کہ ان کا جوہر معرفت جہالت سے تبدیل ہو گیا۔ جو روحیں عالم ارواح میں "بلیٰ" کہہ کر اپنے رب کی ربوبیت کا اقرار کر کے یہاں آئی تھیں وہ اس دنیا میں اس کی نفی پر دلائل سوچنے لگیں۔ اور یقین و معرفت کی دولت سے محروم ہو کر شکوک و شبہات کی ذلت میں مبتلا ہو گئیں۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں انھیں بھٹکی ہوئی روحوں کے لیے اپنی ذات و صفات اور وحدانیت کے اثبات پر دلائل و براہین قائم فرما کر ان کی اصل فطرت کے تقاضا کو پورا فرمایا۔

دلائل قرآن۔ غور سے دیکھا جائے تو سارا قرآن دلائل توحید سے بھرپور ہے۔ ان میں بعض دلائل آفاقی ہیں جن کا تعلق آفاقِ عالم سے ہے۔ اور بعض انفسی ہیں جو براہِ راست نفسِ انسانی سے متعلق ہیں۔ بعض دلائل توحید مخاطبین کی فہم کے لحاظ سے صرف اقناعی ہیں۔ قرآن مجید کا یہ معجزانہ اندازِ بیان خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ کہ ایک ہی دلیل اقناعی بھی ہے اور برہانِ قطعی بھی۔ انشاء اللہ آگے چل کر ہم اس کی وضاحت کریں گے۔

سردست ہم قرآن مجید سے وجود باری تعالےٰ پر ایک دلیل نقل کرتے ہیں:

ہستی باری تعالےٰ پر قرآنی دلیل

اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے:

الذی خلق سبع سموات طباقا ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت۔ فارجع البصر هل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا و هو حسیر۔

جس نے پیدا کیے سات آسمان تہ بر تہ۔ کیا دیکھتا ہے تو رحمٰن کے پیدا کرنے میں کچھ فرق۔ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھے کوئی دراڑ۔ پھر بار بار لوٹا کر دیکھ لوٹ آئے گی تیری طرف تیری نگاہ درماندہ ہونے کی حالت میں تھک کر۔

شکوک وشبہات کا ازالہ

نظام عالم کی جس ہمواری اور ترتیب کو اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے وہ نہ صرف ذاتِ باری تعالےٰ اور اس کے صفات کمالیہ، علم وقدرت اور صنعت وحکمت ہی کی دلیل ہے۔ بلکہ اس نے منکرین وجود باری کے شکوک وشبہات کا بھی ازالہ کر دیا۔ منکرین وجود باری آج تک یہ کہتے چلے آئے کہ تمام موجودات کا ظہور کسی صانع کے بغیر محض اتفاقی طور پر ہو گیا ہے۔ یہ نظم وارتباط جو ہمارے مشاہدے میں آتا ہے محض اتفاقی ہے کسی خالق اور صانع کی خلقت وصنعت کا نتیجہ نہیں۔

ترتیبی نظام اتفاقی نہیں ہو سکتا

نفسیاتِ انسانی کے پیش نظر مضمون آیت کی روشنی میں اس کا ازالہ اس طرح ہوتا ہے کہ انسان جب کسی نظام میں ہمواری اور ترتیب کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ طبعاً یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ نظام خود بخود قائم نہیں ہوا۔ بلکہ کسی نے اسے قائم کیا ہے، اور جہاں کہیں یہ نظم وضبط مفقود ہو تو انسان سمجھ لیتا ہے کہ یہ ناہمواری اور عدم ارتباط ایک قضیۂ اتفاقیہ ہے۔

کوہ وبیابان کا مسافر جب کسی صحرا میں ریت کے ناہموار ٹیلوں سے گذرتا ہے اور کوہستان میں چلتے ہوئے بے ترتیب پڑے ہوئے پتھر اس کے سامنے آتے ہیں۔ تو بے اختیار اس کے ذہن میں یہ تصور آتا ہے کہ محض اتفاقی طور پر ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے ناہموار صورت میں یہ ریت کے ٹیلے پیدا ہو گئے ہیں۔ اور یہ پتھر بارشوں کے باعث پہاڑوں سے ٹوٹ کر بے ترتیبی کے ساتھ اِدھر اُدھر آپڑے ہیں۔

نظامِ مرتب وجود مرتب کی دلیل ہے

اس کے برخلاف اگر وہ ایک عالی شان عمارت سے گزرے اور اس کی تعمیر بہترین ترتیب پر اسے نظر آئے۔ اور وہ اس میں ہر قسم کے ساز وسامان کو قرینے کے ساتھ دیکھے

تو اس کا ذہن ہرگز اس بات کو قبول نہ کرے گا کہ یہ بہترین نظم و ترتیب اور ہر چیز کا سلیقے کے ساتھ اپنی جگہ پایا جانا خود بخود ہو گیا ہے۔ اور محض اتفاقی طور پر یہ بہترین عمارت حوادث کونیہ کے نتیجے کے طور پر از خود تعمیر ہو گئی ہے۔ اور اس کا ساز و سامان ہواؤں کے چلنے اور بارشوں کے ہونے کی وجہ سے اتفاقی طور پر یہاں پہنچ گیا ہے۔ بلکہ وہ یہی سمجھنے پر مجبور ہو گا کہ اس عالی شان مکان کی تعمیر و تزئین اس کے جملہ لوازمات اور کل ساز و سامان کسی دانشور منتظم کی تنظیم و تعمیر کا نتیجہ ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس بیان سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ صحرا و کوہستان و دیگر مقامات پر جو بے ترتیب اشیاء نظر آتی ہیں۔ اگر انھیں تخلیق ایزدی سے خارج قرار دے کر قضیۂ اتفاقیہ کے تحت سمجھ لیا جائے تو غالباً درست ہو گا۔

ازالۂ شبہ کی توضیح یہ ہے کہ ترتیب کبھی حسّی ہوتی ہے کبھی معنوی۔ اگر کہیں حسی ترتیب نہ پائی جائے تو ہم سمجھ لیں گے کہ مرتب محسوس مفقود ہے۔ لیکن اس مقام پر ترتیب معنوی اور اس کے موجد سے ہمارے اس تصور کو کوئی تعلق نہ ہو گا۔ لہٰذا ریت کے بے ترتیب ٹیلوں اور ناہموار پتھروں کو دیکھ کر ہم ان کی بے ترتیبی کو امور اتفاقیہ کے تحت یقیناً لا سکیں گے۔ لیکن ترتیب معنوی کو اس حکم میں شامل کرنا ہرگز درست نہ ہو گا۔ نہ اس کے موجد کی نفی متصور ہو سکے گی۔ بلکہ غور کرنے سے ہمیں معلوم ہو گا کہ بعض اشیاء کی ظاہری بے ترتیبی میں اللہ تعالےٰ نے یہ حکمت مضمر فرمائی ہے کہ انسان جب اس قسم کی غیر مرتب اشیاء کو دیکھے گا تو نفسیاتی طور پر اس کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہو گا کہ ترتیب کا نہ ہونا مرتب کے نہ ہونے کی علامت ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ اور قطعی مفاد یہ ہے کہ انسان ترتیب کو پاکر مرتب کے وجود کو تسلیم کرنے کا داعیہ اپنے باطن میں محسوس کرے گا۔ اور یہ سمجھے گا کہ جس طرح ترتیب حسی مرتبِ محسوس کے وجود کی دلیل ہے۔ اسی طرح ترتیبِ معنوی مرتبِ غیر محسوس کے موجود

ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بے ترتیب اشیاء بھی عقل مند انسان کے لیے ہستیٔ باری تعالیٰ کی دلیل ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر شئے کو اپنی معرفت کی دلیل قرار دیا ہے۔

ترتیبِ محسوس اور ترتیبِ معنوی

اس مقام پر اتنی بات کہہ دینا بے محل نہ ہوگا کہ بعض اشیاء میں جو ظاہری بے ترتیبی پائی جاتی ہے، درحقیقت اس کے پس پردہ ایک زبردست ترتیبی نظام موجود ہے۔ کیونکہ بے ترتیبی کا یہ تغیر جن اسباب سے متعلق ہے وہ سب اصولِ حکمت اور قوانین قدرت کے ماتحت ہیں۔ مثلاً ہواؤں کا چلنا، پانی کا برسنا، موسموں کا بدلنا، شب و روز کا گذرنا، سورج کا نکلنا اور ڈوبنا، چاند کا اپنے منازل کو طے کرنا، بہترین مناسب ترتیب اور مضبوط و مستحکم نظام کے ساتھ ہے۔ اور یہ سب اصول و قوانین اور سارا نظام بجائے خود دلائل قدرت کا ایک وسیع ترین سلسلہ ہے۔ لہٰذا ہر چیز خواہ مرتب نظر آئے یا غیر مرتب اسے وجود باری تعالیٰ کی دلیل سمجھنا فطرت سلیمہ کا مقتضاء ہے، اور ظاہری بے ترتیبی میں بھی نظم و ترتیب کی بیشمار حقیقتوں کو مضمر جاننا عقل و خرد کے تقاضوں کی تکمیل ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ دلائل معرفت میں غور و تدبر کی تاکید اسی حقیقت پر مبنی ہے۔

نظام عالم پر گہری نظر

مضمون آیت کو اس تفصیل کے ساتھ ذہن نشین کر کے نظام عالم پر ایک گہری نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ وہ کیسا مضبوط نظام ہے۔ جواہر و اعراض کس طرح باہم مربوط ہیں۔ عناصر کا امتزاج کس شان سے ہے۔ موالید ثلاثہ میں کیا تعلق ہے؟ اشیاء عالم کی اوضاع و اشکال ہیئات و مقادیر اثرات و خواص اور مختلف اوصاف کو ملاحظہ فرمائیے۔ پھر ان میں ایک خاص قسم کے تناسب پر نظر کیجیے۔ آپ کی ہر نظر معرفت اور یقین کے جواہر اپنے دامن میں لے کر واپس آئے گی۔ اور بلا تامل آپ کہیں گے کہ یہ سب کچھ خالقِ کائنات ہی کے علم و حکمت

اور قدرت وصنعت کے جلوے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات اور کمالات الوہیت پر اس قسم کی بے شمار دلیلیں قائم فرمائی ہیں جن کو سمجھ لینے کے بعد کوئی شخص ایک آن کے لیے بھی یہ تصور قبول نہیں کر سکتا کہ عالم ممکنات روح اور مادّہ کی مخفی قوتوں اور خاصیتوں کا نتیجہ ہے، اور حوادث کونیہ کے باعث اتفاقاً یہ نظام عالم قائم ہوگیا ہے۔ بلکہ اس کی فطرت سلیمہ زبانِ حال سے پکارے گی کہ صنع اللہ الذی اتقن کل شیئ انہ خبیر بما تفعلون "نمل پ۲۰"

روح و مادّہ وجود ممکنات کا مبدا نہیں ہو سکتے

وہ مادّہ جس میں نہ حس ہے نہ حیات، نہ شعور ہے نہ ادراک، اور وہ روح جس کا دامنِ احتیاج (مادّہ پرستوں کے نزدیک) ہر مرحلہ پر بے شعور مادّہ سے بندھا ہوا ہے، دنیائے علم و عقل کا مبدا، وجود ممکنات وحیاتِ موجودات کا سرچشمہ اور کائنات کے نظام محکم کا مرکز قرار پائے۔ علم وخرد کی روشنی میں جہالت اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

توحید کے معنی

ہستئ باری تعالیٰ کے اثبات کے بعد اصل موضوع "توحید" کی طرف آیئے۔ مگر اس سے پہلے لفظ توحید اور اس کے معنی کے متعلق چند امور ذہن نشین کر لیجیے۔

التوحید: فی اللغۃ یگانہ کردن و بہ یگانگی وصف نمودن وعلم التوحید علم یعرف بہ انہ لا وجود لغیر اللہ تعالیٰ ولیست الاشیاء الا مظاہرہ تعالیٰ ومجالیہ والموحدون طائفۃ لا یرون غیر الحق عز شانہ وجل برھانہ ولا یعلمون وجوداً لغیر الحق تعالیٰ وان حقیقۃ الوجود ھو اللہ سبحانہ (دستور العلماء ج ۱، ص ۳۶۱)

سید شریف جرجانی فرماتے ہیں

التوحید: فی اللغۃ الحکم بان الشیئ واحد والعلم بانہ واحد وفی اصطلاح اھل الحقیقۃ تجرید الذات الالٰھیہ عن کل ما یتصور فی الافھام ویتخیل فی الاوھام و

الاذھان۔

التوحید: ثلاثۃ اشیاء معرفۃ اللہ بالربوبیۃ والاقرار بالوحدانیۃ ونفی الانداد عنہ جملۃ (تعریف الاشیاء للسید شریف الجرجانی، ص ۳۱)

مراتبِ توحید

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مراتب توحید چار ہیں

۱۔ صفت وجوب وجود کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص کرنا۔ کہ اس کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں۔

۲۔ ہر شئے کا خالق اللہ تعالےٰ کو جاننا۔

یہ دونوں مرتبے مشرکین عرب یہود و نصاریٰ سب کے نزدیک مسلم ہیں۔

۳۔ ہر شئے کا مدبر صرف اللہ تعالےٰ کو سمجھے۔

۴۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو مستحق عبادت نہ جانے۔

یہ دونوں مرتبے آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اخیر کے دونوں مرتبوں میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے جن میں بڑے گروہ تین ہیں۔ اول نجومی، دوم مشرکین۔ سوم نصاریٰ

(حجۃ اللہ البالغہ ملخصاً)

حقیقتِ شرک

حقیقت یہ ہے کہ مراتب اربعہ مذکورہ بلکہ جمیع صفات الوہیت و کمالات ربوبیت میں ایسا تلازم ہے کہ ایک کا دوسرے کے ساتھ پایا جانا عقلاً واجب ہے۔ اور واجب عقلی کا انتفاء ممتنع لذاتہ ہے۔ لہذا جس نے ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے الگ جانا اس نے باب توحید میں امر ممتنع بالذات کو ممکن اعتقاد کیا۔ اور یہی شرک ہے۔

قرآن مجید میں دلائل توحید اور "واحد" اور "احد" کا استعمال

قرآن مجید میں توحید باری تعالےٰ کا دعویٰ اور اس کے دلائل بکثرت پائے جاتے ہیں۔ بعض آیات میں لفظ واحد اور کہیں لفظ احد بھی وحدانیت الٰہیہ کے بیان میں وارد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے" والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم" اور سورۂ اخلاص میں ہے" قل ھو اللہ احد اللہ الصمد" مطلقاً وصف کے لیے لفظ احد کا استعمال اللہ تعالےٰ کے ساتھ مختص ہے۔ غیر اللہ کے لیے بعض قیود کے بغیر مستعمل نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی اصل "وحد" ہے۔ اس کی جمع نہیں آتی۔ بعض لوگوں نے "آحاد" کو احد کی جمع کہا ہے۔ مگر محققین نے اس کا انکار کیا۔ کما فی تیسیر القاری۔

واحد کے اقسام خمسہ

لفظ واحد کثیر الاستعمال ہے۔ اور متعدد معانی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اُن سب کا احصا پانچ اقسام میں ممکن ہے۔

(۱) واحد جنسی (۲) واحد نوعی (۳) واحد اتصالی (۴) واحد عددی (۵) واحد حقیقی

واحد جنسی میں جہت وحدت جنس ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ جنس سے پاک ہے۔ اور وحدتِ نوعی میں جہت وحدت نوع ہے۔ نوع جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ترکیب سے مبرّا ہے۔ واحد بالاتصال میں جہت وحدت اتصال ہے۔ اللہ تعالیٰ اتصال اور انفصال دونوں سے پاک ہے۔ واحد عددی میں بھی جہت وحدت خارج عن الذات ہے جس کی تعریف میں علمائے مہندسین کہا کرتے ہیں۔ الواحد نصف الاثنین یہاں تو وحدت کا مدار ہی اثنین پر ہے۔ جب تک دو نہ کہیں۔ پھر دو کا آدھا نہ مانیں ایک کے معنی مفہوم نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ اربعہ اولیٰ میں وحدت عارضی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے شایانِ شان نہیں۔ البتہ واحد حقیقی ایسا واحد ہے جس میں صفت وحدت عارضی نہیں بلکہ ذاتی اور مستقل ہے۔ اس لیے کہ واحد حقیقی وہ ہے جس کا وصف وحدت بمقتضائے ذات

ہو۔ یعنی واحد کی ذات وحدت کی مقتضی ہو۔ اور وہ صرف اللہ تعالےٰ کی ذاتِ مقدسہ ہے

ایک ہی دلیل اقناعی بھی ہے اور برہانی بھی

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کی وحدانیت پر ایک ایسی دلیل بھی قائم کی گئی ہے جو عوام کے لیے اقناعی وخطابی ہے اور خواص کے لیے برہانِ قطعی ہے۔ وہ یہ ہے "لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا"

اقناعی وخطابی کا بیان

اس آیتِ کریمہ کا دلیل اقناعی وخطابی ہونا تو کسی طویل تقریر کا محتاج نہیں۔ مشہور مقولہ ہے "دو بادشاہ در اقلیمی نہ گنجند"۔ چنانچہ یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اگر زمین وآسمان میں متعدد خدا ہوتے تو ان کے آپس میں دنیوی بادشاہوں کی طرح اختلاف پیدا ہو جاتا۔ اور اختلاف کے بعد جنگ وجدال تک نوبت پہنچ جاتی۔ اور ایسی صورت میں دنیا کا نظم ونسق درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ یہی مضمون قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں بھی مذکور ہے۔

(۱) وما کان معہ من الہ اذا لذھب کل الہ بما خلق ولعلا بعضھم علی بعض "مومنون"

اور نہیں ہے ساتھ اس کے کوئی خدا۔ اس وقت لے جاتا ہر ایک خدا اس چیز کو جسے پیدا کیا ہے۔ اور البتہ چڑھائی کرتے ان کے بعض بعضوں پر۔

(۲) قل لو کان معہ آلھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا "بنی اسرائیل"

کہہ دیجیے اگر ہوتے اللہ کے ساتھ اور معبود جیسا یہ کافر کہتے ہیں تو اس وقت ڈھونڈتے وہ صاحبِ عرش کی طرف راستہ۔

خلاصہ یہ کہ ایک ملک میں بیک وقت ایک سے زیادہ بادشاہوں کے پائے جانے کی صورت میں تغالب وتمانع کا پایا جانا ایسا امر عادی ہے جس میں غور وفکر کے بعد انسان کو علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے کہ اس عالم کے وجود اور اس کے نظام مشاہد میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہرگز شریک نہیں۔ اور اس یقین کا مقتضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو واحد لاشریک و

اعتقاد کرکے موحد کامل بن جائے۔

برہان تمانع کا خلاصہ

اسی آیت میں برہان قطعی کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر دو خداؤں کا وجود فرض کیا جائے تو ہر ایک کی قدرت تمام مقدورات پر عام ہوگی۔ اس لیے دونوں میں سے ہر ایک مثلاً زید میں حرکت اور سکون پیدا کرنے پر قادر ہوگا۔ اب اگر ان میں سے ایک نے زید میں حرکت اور دوسرے نے سکون پیدا کرنا چاہا۔ اور دونوں اپنے اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گئے تو اجتماع ضدین لازم آئے گا۔ اور یہ محال عقلی ہے۔ اور اگر دونوں ناکام رہے تو یہ بھی عقلاً محال ہے کیونکہ ہر ایک کا مقصد دوسرے کو ناکام کرنا ہے۔ ایسی صورت میں ایک کی ناکامی دوسرے کی کامیابی پر موقوف ہوگی۔ لہذا دونوں کا ناکام ہونا دونوں کے کامیاب ہونے پر موقوف رہے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ عقلاً ممتنع لذاتہ ہے۔ اور اگر دونوں میں سے ایک کامیاب ہوگیا، اور دوسرا ناکام رہا تو جو ناکام ہوگا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خدا کا ناکام ہونا ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے۔

تعدد آلھہ اور ان کا اتفاق محال ہے

اگر اس مقام پر یہ شبہ پیش کیا جائے کہ ممکن ہے کہ ایک سے زیادہ خدا ہوں اور وہ آپس میں متفق ہو گئے ہوں کہ ہم میں سے کوئی ایسا ارادہ نہ کرے گا جو دوسرے کے خلاف ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امکان اتفاق اس تمانع کے امکان کو مستلزم ہے جس کا محال ہونا ہم ابھی دلیل سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مستلزم محال خود محال ہوتا ہے۔ لہذا ان کا متفق ہونا بھی محال ہوگا۔ البتہ اگر کسی دلیل سے اتفاق کا وجوب ثابت ہو جاتا تو واقعی یہ دلیل ساقط ہو جاتی۔ لیکن وجوب اتفاق پر آج تک کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی نہ آئندہ ہوسکتی ہے۔

دلیل اقناعی بھی حصول یقین کا موجب ہو سکتی ہے

اس تقریر سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ آیہ کریمہ لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا، کو حجت اقناعیہ ماننے کی صورت میں یہ دلیل ظنی ہو جائے گی۔ جس میں یقین منتفی ہو گا۔ اور یہ بات کلام الٰہی کے شایانِ شان نہیں۔ اس کا جواب ہمارے بیانِ سابق میں واضح طور پر آ گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصطلاحی الفاظ میں تو ہم نے اسے دلیلِ خطابی سے ضرور تعبیر کیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ محض ظنی ہے۔ جس کا کوئی تعلق علم یقین کے ساتھ نہیں۔ بلکہ ہم صاف لفظوں میں کہہ چکے ہیں کہ اس "حجت اقناعی" میں غور و خوض کرنے سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ملازمتِ عقلیہ میں علم یقینی منحصر نہیں۔ بلکہ وہ امور عادیہ اور قرائن واضحہ جن میں عقلی تلازم نہیں پایا جاتا، بسا اوقات علم یقینی کا موجب ہوتے ہیں۔ جیسے زید کی موت کا ہمیں علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زید عرصۂ دراز سے شدید ترین مہلک مرض میں مبتلا ہے اور اچانک اس کے گھر سے رونے پیٹنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اور غسل و کفن کا سامان مہیا ہونے لگا۔ تو اگرچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن اس کے گھر سے واویلا کی آوازیں سننے اور تجہیز و تکفین کا سامان دیکھنے کے بعد ہمیں اس کی موت کا علم یقینی حاصل ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ علم یقینی کے لیے ملازمت عقلیہ ہی ضروری نہیں بلکہ امور عادیہ بھی علم یقینی کا موجب ہو سکتے ہیں۔

اعجاز قرآن

یہ قرآن مجید ہی کا معجزانہ انداز بیان ہے کہ ایک آیت عامۃ الناس کے لیے حجت اقناعی بھی ہے اور وہی آیت اُن خواص کے لیے جو اہل عقل و دانش ہیں برہان قطعی کی شان بھی اپنے اندر رکھتی ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے اس کی فہم کے مطابق دلائل توحید بیان فرمائے۔

توحید کے فوائد۔ ہم سابقاً عرض کر چکے ہیں کہ معرفت الٰہیہ انسان کی روح کا فطری تقاضا

ہے۔ اور توحید کے بغیر معرفت خداوندی متصور نہیں۔ لہٰذا توحید کا سب سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کے فطری مقتضا کی تکمیل ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ ہر شخص کی زندگی کی عمارت اس کے عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ فسادِ عقیدہ زندگی کی تمام عمارت کو فاسد کر دیتا ہے۔ ہر قوم کی تہذیب اور اس کا معاشرہ اس وقت تک اصلاح پذیر نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا عقیدہ صالح اور درست نہ ہو۔ پھر یہ کہ انسانیت کا جوہر عقیدۂ توحید کے بغیر نہیں نکھرتا۔ توحید معرفت کا موجب ہے اور خدا کی معرفت خوفِ الٰہی کا سبب ہوتی ہے۔ اور خوفِ خداوندی ارتکاب معاصی سے باز رکھتا ہے۔

انسانیت کا مرکز توحید ہے اور اس کا وسیلہ رسالت

اقوام عالم کی تہذیب و تمدن اور معاشرے میں اصولی اور بنیادی اختلافات کی سب سے بڑی وجہ توحید باری کے عقیدے میں اختلاف کا پایا جانا بھی ہے۔ بنی نوع انسان کو ایک مرکز پر لانے کا کوئی طریقہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا کہ انھیں معبود واحد کی وحدانیت کے اعتقادی مرکز پر جمع کر دیا جائے۔ لیکن فطرت انسانی محض عقل کی روشنی میں اس مرکزِ وحدت تک پہنچنے میں کسی ایسی دلیل کی محتاج تھی جو صحیح معنی میں اسے منزلِ مقصود تک پہنچا دے اور تمام بنی نوع انسان کے لیے ایسی کامل اور قطعی دلیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ رسالت توحید کی دلیل ہے اور اس میں شک نہیں کہ کلمۂ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ" دعویٰ ہے۔ اور "محمد رسول اللہ" اس کی دلیل ہے۔ اور اس دلیل کو دعویٰ سے اتنا قرب ہے کہ دونوں کے درمیان واوِ عاطفہ تک کی گنجائش نہیں۔ معلوم ہوا کہ قرب الٰہی کا ذریعہ صرف قرب مصطفائی ہے۔ اور توحید کا وسیلہ محض رسالت ہے:

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با و نہ رسیدی تمام بولہبی است